بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درخواست گزار کی درخواست کا مطالعہ کیا گیا، اس درخواست میں مدعی کی درجِ ذیل چار باتیں محلِ نظر ہیں:

۱۔ مدعی کے مطابق محصن وہ ہے جسکو زنا کے وقت جائز طریقے سے جماع کا موقع میسر ہو چنانچہ اگر کسی شخص کی بیوی فی الحال مفارقت یا طلاق یا موت کی وجہ سے موجود نہیں تو اس کا احصان ختم ہو جائیگا۔

۲۔ رجم کی حد جاری کرنا اسلام کے خلاف ہے اور مسلمانوں کی مختلف جماعتوں میں اسکے بارے میں اختلاف ہے۔

۳۔ دفعہ ۲ الف کے ذیل میں عورت اور مرد کو مجرم ٹھہرانے کی مناسبت سے عمر کی جو حد مقرر ہے اس میں عورت اور مرد کے درمیان امتیاز برتا گیا ہے اس کی تائید نہ قرآن سے ملتی ہے اور نہ سنت سے اور نہ یہ مبنی بر انصاف ہے۔

۴۔ حدود آرڈیننس میں وہ حفاظتی قوانین اور رعایتیں ذکر نہیں کی گئی ہیں جنکی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے مثلاً

۱۔ توبہ

۲۔ اگر حد قائم کرنے کے وقت گواہ غیر حاضر ہوں۔

۳۔ زانی اگر اپنے اقرار سے رجوع کرے۔

۴۔ زنا کے فعل کے مشاہدہ کی تفصیل ذکر نہیں کی گئی۔

دار الافتاء

اب ہم ان چار باتوں کا ترتیب وار تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہیں:

﴿۱﴾ مدعی کے دعویٰ کے مطابق محصن وہ ہے جسکو زنا کے وقت جائز طریقے سے جماع کا موقع میسر ہو، چنانچہ اگر کسی شخص کی بیوی فی الحال مفارقت یا طلاق یا موت کی وجہ سے موجود نہیں تو اس کا احصان ختم ہو جائیگا۔

مدعی کی یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ کسی شخص کے محصن ہونے کیلئے یہ شرط نہیں کہ زنا کے وقت بھی اسے جماع کا موقع میسر ہو بلکہ احصان کے ثبوت کیلئے دوسری شرائط مثلاً عقل بلوغ وغیرہ کے ساتھ صرف یہ شرط ہے کہ اس نے نکاح صحیح کے ساتھ وطی کی ہو چکا ہے اسکے بعد اس کو جائز طریقے سے جماع کا موقع میسر ہو یا نہ ہو، لہذا حدود آرڈیننس ۱۹۷۹ میں محصن کی ذکر کردہ تعریف بالکل درست ہے، اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔

احصان کے ثبوت کیلئے مدعی کی بات کا شرط نہ ہونا معتبر تفاسیر، احادیث، شروح احادیث اور کتب فقہ سے ثابت ہے اور ائمہ اربعہ کا بھی احصان کے ثبوت کیلئے اس شرط کے نہ ہونے پر اتفاق ہے، چنانچہ

(جاری ہے)

(الف) مشہور مفسر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تفسیر ابن کثیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ محصن وہ ہے کہ جس نے نکاح صحیح میں وطی کی ہو اور وہ آزاد، عاقل اور بالغ ہو۔

فی تفسیر ابن کثیر تحت قوله تعالى الزانية والزانی فاجلدو ا كل واحد منهما :(٦/٥)

فإن الزاني لا يخلو إما أن يكون بكرا وهو الذى لم يتزوج أو محصنا وهو الذى قد وطئ فی نكاح صحيح وهو حر بالغ عاقل۔

(ب) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غامدیہ قبیلہ کی ایک عورت نے زنا کا اقرار کیا تھا جس کا خاوند نہیں تھا اور اس پر حد رجم جاری کی گئی علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس کے خاوند نہ ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ احصان کے ثبوت کے لئے زنا کے وقت جائز طریقے سے جماع کا موقع میسر ہونا شرط نہیں ہے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت پر حد جاری نہ فرماتے۔

فی الصحيح لمسلم :٦٩/٩

حدثنا عبد الله بن بريدة عن أبيه قال فجائت الغامدية فقالت يا رسول الله إنى قد زنيت فطهرنى وإنه ردها فلما كان الغد قالت يا رسول الله لم تردنى لعلك أن تردنى كما رددت ماعزا فوالله إنى لحبلى قال إما لا فاذهبى حتى تلدى فلما ولدت أتته بالصبى فى خرقة قالت هذا قد ولدته قال اذهبى فأرضعيه حتى تفطميه فلما فطمته أتته بالصبى فى يده كسرة خبز فقالت هذا يا نبى الله قد فطمته وقد أكل الطعام فدفع الصبى إلى رجل من المسلمين ثم أمر بها فحفر لها إلى صدرها وأمر الناس فرجموها فيقبل خالد بن الوليد بحجر فرمى رأسها فتنضح الدم على وجه خالد فسبها فسمع نبى الله صلى الله عليه وسلم سبه إياها فقال مهلا يا خالد فوالذى نفسى بيده لقد تابت توبة لو تابها صاحب مكس لغفر له ثم أمر بها فصلى عليها ودفنت

وفى فتح البارى (١٢/ ١٥٠)

ان الغامدية كان ظهر لها الحبل مع كونها **غير ذات زوج** فتعذر الاستتار للاطلاع على مايشعر بالفاحشة۔

(ج) صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ کسی مسلمان کا خون تین اسباب کے بغیر حلال نہیں، ان

(جاری ہے)

میں سے ایک ثیب زانی ہے یعنی اگر ثیب زنا کرے تو اس کا خون (رجم کے ذریعے) حلال ہے۔

ثیب کی تعریف کرتے ہوئے شارح صحیح مسلم علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس عاقل، بالغ اور آزاد شخص نے اپنی زندگی میں نکاح صحیح کے ساتھ ایک بار بھی جماع کرلیا ہو وہ ثیب شمار ہوگا چاہے وہ مرد ہو یا عورت۔

نیز ثیب کی تعریف کرتے ہوئے مشہور اہل زبان ابن منظور الانصاری اپنی کتاب لسان العرب میں لکھتے ہیں کہ عورتوں میں سے ثیب وہ ہے جسکی شوہر سے ہمبستری کے بعد جدائی ہوگئی ہو۔

اس سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ جس مرد یا عورت پر حد رجم جاری کی جائے اسے زنا کے وقت جائز طریقہ سے جماع کا موقع میسر ہونا شرط نہیں ۔

لایحل دم امرئ مسلم الا باحدی ثلاث: الثیب الزانی والنفس بالنفس والتارک لدینه المفارق للجماعة . [رواہ البخاری ومسلم]

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل دم امرئ مسلم يشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله إلا بإحدى ثلاث: النفس بالنفس والزانی المحصن والتارک لدینه المفارق للجماعة(تفسیر ابن کثیر ۵/ ۴۳)

فی شرح النووی علی الصحیح لمسلم : ۶/ ۱۰۹

وأما قوله صلى الله عليه وسلم: البكر بالبكر والثيب بالثيب (الی قوله) والمراد بالثيب **من جامع فی دهره مرة** من نكاح صحيح وهو بالغ عاقل حر والرجل والمرأة فی هذا سواء

والثیب فی لسان العرب (۱/ ۲۳۷): الثیب من النساء التی تزوجت **وفارقت** زوجها بأی وجه کان بعد ان مسّها۔

(د) ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ احصان کے ثبوت کیلئے نکاحِ صحیح کے ساتھ ہمبستری شرط ہے چاہے اسکے بعد اسے جائز طریقہ سے جماع کا موقع میسر ہو یا نہ ہو۔

اس سے متعلق مذاہبِ اربعہ کی مشہور کتابوں کے حوالے درج ذیل ہیں:

(١) وفی الشامیة (٤/ ١٨)

(و) اعلم انه (لایجب بقاء النکاح لبقائه) ای الاحصان فلو نکح فی عمره مرة ثم طلق وبقی مجرداً وزنی رجم۔

قال تحتةً: ذکر هذه المسألة فی الدرر....ثم زال النکاح وهی أعم لشمولها زوال

(جاری ہے)

النكاح بموتها او ردتها او نحو ذلك ۔

(۲) وفی کتاب الام (۳۰۷/٤)

ولا یکون احصاناً مرة وساقطاًاخری۔(الی قوله) إنما الاحصان الجماع بالنكاح لاغیره فمتی وجدنا جماعا بنكاح صحیح فهو إحصان للحر منهما۔

(۳) وفی مواهب الجلیل (۴۹/۱۸)

قال فی النوادر قال محمد وان تأیمت المراة بعد احصانها او الرجل او كانا علی نكاحهما فقد وجب علیهما الاحصان وصرّح بذلك ایضاً فی مختصر الوقار۔

(٤)و فی المغنی : ۹٦/۱۰

ولا یبطل احصان المسلم بردته ولا عباداته التی فعلها فی اسلامه إذا عاد إلی الاسلام یعنی إذا كان محصنا فارتد ثم أسلم لم یصر غیر محصن بل متی زنا رجم لانه یثبت له حكم الاحصان والاصل بقاء ما كان علی ما كان ولا تبطل عباداته التی فعلها فی اسلامه إذا عاد إلی الاسلام لانه فعلها علی وجهها وبرئت ذمته منها فلم تعد إلی ذمته كدیون الآدمیین وان كان قد حج حجة الاسلام قبل ردته لم یجب علیه اعادتها إذا عاد إلی الاسلام لما ذكرنا

(ھ)اوپر ذکر کردہ تفسیر،احادیث،شروح احادیث اور ائمہ اربعہؒ کے حوالے سے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ایک مرتبہ نکاح صحیح کے ساتھ جماع کرنے سے محصن بن گیا تو اب نکاح ختم ہونے یا ارتداد وغیرہ سے اسکی یہ صفت احصان ختم نہیں ہوگی بلکہ یہ صفت برقرار رہیگی ،اور نکاح ختم ہونے سے یا ارتداد وغیرہ سے صفت احصان کا ختم ہونا اور اس شخص کا دوبارہ غیر محصن ہوجانا یہ خود کسی دلیل کا محتاج ہے اور ایسی کوئی دلیل موجود نہیں غالبًا اسی بناء پر مدعی نے اپنے دعوی میں خود ایسی کوئی دلیل ذکر نہیں کی ہے جبکہ اس کے ذمہ اپنے دعوی پر دلیل پیش کرنا لازم تھا۔

﴿۲﴾ مدعی کے مطابق رجم کا حکم اسلام کے خلاف ہے اور مختلف فیہ ہے۔

مدعی کی یہ بات درست نہیں ہے بلکہ رجم کا ثبوت احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ہے اور تمام

(جاری ہے)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اس پر اتفاق ہے، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے اس موضوع پر مفصل مقالہ تحریر فرمایا ہے جس میں اکیاون (۵۱) صحابہ کرامؓ کی روایات سے شادی شدہ زانی کے لئے رجم کا حکم یا فیصلہ نقل کیا ہے، مذکورہ مقالہ کی کاپی منسلک ہے۔

فی سنن الترمذی :۵۰۸/٤

عَن عُمَرَ بنِ الخَطَّابِ قَالَ رَجَمَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ وَرَجَمَ أَبُو بَکرٍ وَرَجَمتُ وَلَولَا أَنِّی أَکرَہُ أَن أَزِیدَ فِی کِتَابِ اللّٰہِ لَکَتَبتُہُ فِی المُصحَفِ فَإِنِّی قَد خَشِیتُ أَن تَجِیءَ أَقوَامٌ فَلَا یَجِدُونَہُ فِی کِتَابِ اللّٰہِ فَیَکفُرُونَ بِہِ

وفی المغنی (١١٨/١٠)

فی وجوب الرجم علی الزانی المحصن رجلا کان او امرأۃ وھذا قول عامۃ اھل العلم من الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم من علماء الامصار فی جمیع الاعصار ولا نعلم فیہ مخالفاً الا الخوارج .....قد ثبت الرجم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقولہ وفعلہ فی اخبار تشبہ المتواتر وأجمع علیہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔

فی شرح النووی :١٠٩/٦

واجمع العلماء علی وجوب جلد الزانی البکر مائۃ ورجم المحصنین وھو الثیب ولم یخالف فیہ احد من اھل القبلۃ الا ما حکی القاضی العیاض وغیرہ عن الخوارج وبعض المعتزلۃ ۔

وفی الاستذکار للقرطبی :٤٤٦/٧

واجمع الجمھور من الفقھاء المسلمین اھل الفقہ والاثر من لدن الصحابۃ الی یومنا ھذا ان المحصن من الزناۃ حدہ الرجم واختلفوا ھل علیہ مع ذلک جلد ام لا

وفی التشریع الجنائی (٥١٨/١)

اتفق العلماء ماعدا الخوارج علی ان حد الزانی المحصن ھو الرجم بدلیل ماثبت فی السنۃ المتواترۃ واجماع الأمۃ۔

﴿۳﴾ حدود آرڈیننس میں کسی مرد پر حد لگنے کی عمر اٹھارہ سال اور عورت کی عمر سولہ سال بتائی گئی ہے اور مدعی

(جاری ہے)

دار الافتاء

کے مطابق مرد اور عورت کی عمر کا فرق انصاف کے خلاف ہے اور قرآن وسنت کے منافی ہے لہذا اس تفریق کو ختم کیا جائے۔

اس پر کچھ عرض کرنے سے قبل بطور تمہید یہ بات واضح رہے کہ زانی مرد یا عورت پر حد جاری کرنے کے لئے شرعاً یہ ضروری ہے کہ وہ بالغ ہو اور کسی لڑکے یا لڑکی پر بلوغ کا حکم اس وقت لگے گا جب اس میں بلوغ کی علامات پائی جائیں، لہذا جب بھی وہ علامات پائی جائیں گی اس لڑکے یا لڑکی پر بلا تفریق بلوغ کا حکم لگایا جائے گا اور قانون میں بھی یہ بات موجود ہے کہ اگر بلوغ کی علامات پائی جائیں تو بلوغ کا حکم لگے گا اور اس پر حد جاری ہوگی، چاہے لڑکے کی عمر اٹھارہ سال اور لڑکی کی عمر سولہ سال ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

(criminal major acts edition 2009 by Naseem Chaudhri pg no:906)

البتہ بلوغ کی کسی علامت کے ظاہر نہ ہونے کی صورت میں ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ) اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ) اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت کے مطابق لڑکا اور لڑکی دونوں کی عمر پندرہ سال ہونے پر بلوغ کا حکم لگایا جائے گا اور یہی قول مفتی بہ ہے البتہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق لڑکے کی عمر اٹھارہ سال اور لڑکی کی عمر سترہ سال ہونے پر بلوغ کا حکم لگایا جائیگا۔

حدود آرڈیننس کے مطابق حدود کے معاملہ میں علاماتِ بلوغ ظاہر نہ ہونے کی صورت میں لڑکے کی عمر اٹھارہ سال اور لڑکی کی عمر سولہ سال بلوغ کے لئے مقرر کی گئی ہے اور اسکی بنیاد قانون میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول بتایا گیا ہے۔

(criminal major acts edition 2009 pg no:907)

تاہم لڑکے کی بلوغت کی عمر اٹھارہ سال ہونے کا قول تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے اور چونکہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں اسلئے احتیاط کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے حدود کے معاملے میں لڑکے کیلئے اٹھارہ سال کے قول کو لینے میں کوئی حرج نہیں لیکن لڑکی کے لئے بلوغت کی عمر سولہ سال ہونے کا قول امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے ہمیں نہیں ملا البتہ لڑکی کیلئے سترہ سال کا قول ان سے مروی ہے۔

(جاری ہے)

دار الافتاء

اس تمہید کے بعد مدعی کے اصل اعتراض کا جواب یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکی کے بلوغ کی عمر میں فرق اس لئے رکھا گیا ہے کہ مذکورہ علامات کے ذریعہ علم نہ ہونے کی صورت میں اس مسئلہ کا تعلق مشاہدہ سے رہ جاتا ہے اور مشاہدہ کے مطابق لڑکی، لڑکے سے پہلے بالغ ہوتی ہے کیونکہ یہ بدیہی بات ہے اور اسکا مشاہدہ بھی ہے کہ عورت کی نشو ونما مرد کی نشو ونما سے زیادہ تیز ہے اسی وجہ سے لڑکی اور لڑکے کے بلوغ کی کم از کم عمر میں بھی فرق رکھا گیا ہے، چنانچہ لڑکے کیلئے بلوغ کی کم از کم مدت بارہ سال اور لڑکی کیلئے نو سال مقرر کی گئی ہے، کیونکہ مشاہدہ کے مطابق لڑکا بارہ سال سے پہلے اور لڑکی نو سال سے پہلے بالغ نہیں ہوتی، لہذا اس پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے لڑکی اور لڑکے کی بلوغت کی عمر میں فرق رکھا جائے تو یہ انصاف کے خلاف نہیں اور اس تفریق کو قرآن وسنت کے منافی بھی نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ اس مسئلہ کا تعلق مشاہدہ اور تجربہ سے ہے۔

فی الهداية :(٢٩/٢١)

وأدنى المدة لذلك فى حق الغلام اثنتا عشرة سنة وفى حق الجارية تسع سنين (الى قوله) أن الإناث نشوؤهن وإدراكهن أسرع فنقصنا فى حقهن سنة لاشتمالها على الفصول الأربعة التي يوافق واحد منها المزاج لا محالة ـ

فى الدر :(١٦٧/٢٥)

بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال والأصل هو الإنزال والجارية بالاحتلام والحيض والحبل ولم يذكر الإنزال صريحا لأنه قلما يعلم منها فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى لقصر أعمار أهل زماننا وأدنى مدته له اثنتا عشرة سنة ولها تسع سنين هو المختار كما فى أحكام الصغار

وتحته فى ردالمحتار :

قوله : به يفتى هذا عندهما وهو رواية عن الإمام وبه قالت الأيمة الثلاثة وعند الإمام حتى يتم له ثمانى عشرة سنة ولها سبع عشرة سنة ـ

فى المغنى :٥٥٥/٤

الفصل الثالث فى البلوغ ويحصل فى حق الغلام والجارية بأحد ثلاثة أشياء

(جاری ہے)

وفـي حـق الـجـارية بشيئـيـن يـخـتـصـان بهـا أما الثلاثة المشتركة بين الذكر والأنثـى فأولها خروج المنى من قبله وهو الماء الدافق الذى يخلق منه الولد فـكـيـفـمـا خـرج فـى يقظة أو منام بجماع أو احتلام أو غير ذلك حصل به البـلـوغ لا نـعـلـم فى ذلك اختلافا ؛ لقول الله تعالى : وإذا بلغ الأطفال منكم الـحلم فليستأذنوا وقوله والذين لم يبلغوا الحلم منكم وقول النبى صلى الله عـلـيـه وسـلـم : رفـع الـقـلـم عن ثلاث ؛ عن الصبى حتى يحتلم ـ وقوله عليه السـلام لمعاذ : خذ من كل حالم دينارا ـ رواهما أبو داود ـ (الى قوله) ـ وأما السـن فـإن البـلـوغ بـه فـى الـغـلام والجارية بخمس عشرة سنة ـ وبهذا قال الأوزاعـى والشـافـعـى وأبـو يـوسف ومحمد وقال داود : لا حد للبلوغ من السـن لـقـولـه عـلـيـه السـلام : رفـع القلم عن ثلاث عن الصبى حتى يحتلم وإثبات البلوغ بغيره يخالف الخبر ـ وهذا قول مالك وقال أصحابه : سبع عشـرة أو ثـمانى عشرة ـ وروى عن أبى حنيفة فى الغلام روايتان ـ إحداهما سبع عشرة والثانية ثمانى عشرة ـ والجارية سبع عشرة بكل حال ؛ لأن الحد لا يثبت إلا بتوقيف أو اتفاق ولا توقيف فى ما دون هذا ولا اتفاق ـ (انتهى)

فى اللباب فى الجمع بين السنة والكتاب:٥٩٢/٢

إذا بلغ الغلام ثمانية عشر سنة حكم ببلوغه لأن العادة فى البلوغ خمسة عشر سنة وكل ما كان طريقه العادات يجوز فيه الزيادة والنقصان وقد وجدنا من بلغ فى اثنى عشر سنة وقد بينا أن الزيادة على المعتاد من الخمسة عشر جائزة كـالنقصان فجعل أبو حنيفة رضى الله عنه الزيادة على المعتاد كالنقصان منه وهـى ثلاث سنين كما أنه عليه السلام لما جعل المعتاد من حيض النساء ستا أو سبـعـا اقتـضى أن يكون المعتاد ستا ونصفا لأنه جعل السابع مشكوكا فيه بقوله أو سبعا ثم قد ثبت عندنا أن النقصان من المعتاد ثلاث ونصف فكانت الزيادة على المعتاد بأداء النقصان منه وجب أن يكون كذلك اعتبارا بالزيادة

(جاری ہے)

دار الافتاء

علـى الـمـعتـاد وهـذا لأن طريق إثبات البلوغ إنما هو الاجتهاد لأنه حد بين الـصـغيـر والـكبيـر الـلذين قد عرفنا طريقهما وهو واسطة بينهما فكان طريقه الاجتهـاد وليـس يتـوجـه عـلى القايل بما وصفنا سؤال كالمجتهد فى تقويم الـمتلفات وأروش الجنايات التى لا توقيف فى مقاديرها ومهور النساء ونحو ذلك

﴿۴﴾ مدعی نے بعض وجوہات ذکر کر کے ان کے ذریعے حد کا ساقط ہونا ذکر کیا ہے، جن میں سے پہلی وجہ توبہ ذکر کی ہے، تو اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ شرعاً اگر یہ معاملہ عدالت تک نہ پہنچے اور مجرم صدقِ دل سے توبہ اور استغفار کر لے تو عند اللہ تو اس کا گناہ معاف ہو جائے گا، لیکن اس سے حد ساقط نہیں ہوگی، چنانچہ اگر توبہ کے بعد بھی عدالت کے پاس معاملہ پہنچ جائے اور زانی کے محصن ہونے کی صورت میں اگر زنا شرعی طریقہ پر ثابت ہو جائے تو اس پر رجم کا حکم ہی جاری ہوگا، اس توبہ سے رجم کا حکم ساقط نہیں ہوگا اور عدالت کو اس مجرم کو معاف کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، چنانچہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ سے زنا کا فعل صادر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر انہوں نے اسکا اقرار کیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر رجم کی سزا جاری فرمائی، اول تو انکا نادم ہو کر آنا خود توبہ ہے پھر انہوں نے سچے دل سے ایسی توبہ کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسکی توبہ ایک قوم میں تقسیم کی جائے تو ان سب کو کافی ہو جائے۔ (دیکھئے صحیح مسلم ۶۸/۹) لیکن اسکے باوجود ان پر حدِ رجم جاری کی گئی اسی طرح غامدیہ قبیلہ کی ایک عورت نے زنا کا اقرار کیا تھا اور اس پر حدرجم جاری کی گئی جبکہ اس عورت نے بھی ایسی توبہ کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی توبہ کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ ناجائز ٹیکس لینے والا شخص بھی کرے تو اسکی مغفرت ہو جائے (دیکھئے صحیح مسلم ۶۹/۹)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب حد کا معاملہ پیش ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حد جاری کی ہے چاہے اس نے سچی توبہ بھی کر لی ہو، اگر توبہ سے حد معاف ہو سکتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور انہیں معاف کر دیتے، نیز پھر اگر کسی نے سفارش بھی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفارش کو نہ صرف یہ کہ قبول نہیں فرمایا بلکہ اس پر سخت ناراضگی کا بھی اظہار فرمایا ہے۔

نیز ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع رایت منقول ہے کہ:

تـعـافـوا الـحـدود فيـمـا بيـنـكـم فما بلغنى من حد فقد وجب ۔(ابو داؤد رقم الحديث ٤٣٧٦)(اى فقد وجب على اقامته :عون المعبود ٣١/١٢)

(جاری ہے……)

یعنی حدود کو آپس میں معاف رکھو اور جب میرے پاس حد کا معاملہ پہنچے گا تو وہ حد واجب ہو جائے گی (یعنی پھر میرے لئے حد کو قائم کرنا واجب ہو جائیگا)۔

نیز درجِ ذیل عبارات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ توبہ کے بعد بھی قاضی کے پاس معاملہ پہنچنے پر دنیا میں حد جاری ہوگی، اس توبہ سے قانونی طور پر ثابت شدہ حد ساقط نہیں ہوگی اور یہ معاملہ صرف اسی جرم کا نہیں بلکہ بعض دوسرے جرائم مثلاً قتل وغیرہ کے جرم سے بھی مجرم اگرچہ توبہ کر چکا ہو لیکن جب عدالت میں اس کا جرم ثابت ہو جائے تو اس کی توبہ اس جرم کی سزا کو ساقط کرنے میں مؤثر نہیں ہوگی۔ عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

فی الصحیح لمسلم :٦٩/٩

حدثنا عبد الله بن بريدة عن أبيه قال فجائت الغامدية فقالت يا رسول الله إني قد زنيت فطهرني وإنه ردها فلما كان الغد قالت يا رسول الله لم تردني لعلك أن تردني كما رددت ماعزا فوالله إني لحبلى قال إما لا فاذهبي حتى تلدي فلما ولدت أتته بالصبي في خرقة قالت هذا قد ولدته قال اذهبي فأرضعيه حتى تفطميه فلما فطمته أتته بالصبي في يده كسرة خبز فقالت هذا يا نبي الله قد فطمته وقد أكل الطعام فدفع الصبي إلى رجل من المسلمين ثم أمر بها فحفر لها إلى صدرها وأمر الناس فرجموها فيقبل خالد بن الوليد بحجر فرمى رأسها فتنضح الدم على وجه خالد فسبها فسمع نبي الله صلى الله عليه وسلم سبه إياها فقال مهلا يا خالد فوالذي نفسي بيده **لقد تابت توبة لو تابها** صاحب مكس لغفر له ثم أمر بها فصلى عليها ودفنت

فی تفسير القرطبي :(٩١/٥)

ولا خلاف فيما أعلمه أن التوبة لا تسقط حدا ولهذا قال علماؤنا: إن السارق والسارقة والقاذف متى تابوا وقامت الشهادة عليهم أقيمت عليهم الحدود۔

وفی الشامیة (١٥٤/٣)

الظاهر ان التوبة لاتسقط الحد الثابت عند الحاكم بعد الرفع اليه .....

فی احکام القرآن للجصاص: ٣٨/١

ثبت أن عقوبات الدنيا ليست موضوعة على مقادير الأجرام وإنما هي على ما يعلم الله من المصالح فيها وعلى هذا أجرى الله تعالى أحكامه فأوجب (جاری ہے......)

دار الافتاء

رجم الزانی المحصن **ولم یزل عنه الرجم بالتوبة** ألا ترى إلى قوله عليه السلام في ماعز بعد رجمه وفي الغامدية بعد رجمها : لقد تاب توبة لو تابها صاحب مكس لغفر له ۔

فی البحر الرائق:۷/۵

والحاصل أن الواجب على العاصي في نفس الأمر التوبة فيما بينه وبين الله تعالى والإنابة ثم إذا اتصل بالإمام ثبوته وجب إقامة الحد على الإمام **ولا یمتنع من إقامته بسبب التوبة**

وفی الفقه الاسلامی وادلته للزحیلی (٥٥٦٤/٧)

اتفق العلماء على ان الحدود اذا رفعت الى ولی الأمر او نائبه القاضی ثم تاب عن جریمته بعد ذلك لم یسقط الحد عنه بل تجب اقامة الحد وان تاب المجرم حینئذٍ سواء كان قاطع طریق ام لصاً او **زانیا**.......

لہٰذا مدعی کا یہ کہنا کہ توبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے درست نہیں، تاہم چونکہ قانون کا دخل ہی اس وقت ہوتا ہے جب معاملہ عدالت تک پہنچے، اس سے قبل قانون کا دخل ہی نہیں ہوتا ممکن ہے اس وجہ سے حدود آرڈیننس میں اس کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔

مدعی نے حد کو ساقط کرنے والی دوسری بات یہ ذکر کی ہے کہ اگر گواہ حد کے جاری کرنے کے وقت غیر حاضر ہوں تو حد ساقط ہو جائے گی، جبکہ حدود آرڈیننس کے مطابق انکی حاضری کو ضروری قرار نہیں دیا گیا (حدود آرڈیننس سیکشن ۱۷)۔

اس بارے میں وضاحت یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حد جاری کرنے کے وقت گواہوں کا موقع پر موجود ہونا ضروری ہے، اگر گواہ موجود نہ ہوں تو حد جاری نہیں ہوگی۔ اور ہمارے ملک میں چونکہ فقہ حنفی رائج ہے، اس لئے قانون بھی اس کے مطابق ہونا چاہیے اور حدود کے معاملے میں احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے، البتہ چونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک گواہوں کے ذریعے عدالت میں حد ثابت ہو جانے کے بعد حد جاری کرنے کے وقت گواہوں کا موجود ہونا ضروری نہیں، بلکہ ان کی عدم موجودگی میں بھی عدالت سزا جاری کر سکتی ہے، لہٰذا اگر ملکی قانون کے مطابق عدالت گواہوں کے ذریعے حد کے ثابت ہو جانے کے بعد گواہوں کی عدم موجودگی

(جاری ہے)

موجودگی میں حد جاری کر دے تو اس کا یہ اقدام ائمہ ثلاثہ کے مذہب کے مطابق ہوگا، اور چونکہ حاکم کا حکم اختلافی مسائل میں نافذ ہو جاتا ہے، اس لئے اس کو خلافِ شرع نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ احتیاط اس میں ہے کہ فقہ حنفی کے مطابق قانون بنایا جائے۔ میں اسکا اضافہ

فی الدر: ١١/٤

والشرط بداءة الشهود به ولو بحصاة صغيرة إلا لعذر كمرض فيرجم القاضي بحضرتهم فإن أبوا أو ماتوا أو غابوا أو قطعوا بعد الشهادة أو بعضهم سقط الرجم لفوات الشرط۔

فی الشامية: ٤/ ١٧٣

والشرط بداءة الشهود به أي بالرجم لانهم قد يتجاسرون على الاداء ثم يستعظمون المباشرة فيرجعون وفيه احتيال للدرر كما في المحيط۔قهستاني۔

فی تهذيب المدونة: ٣/ ٤٥٠

وإذا شهدوا على الحدود فماتوا أو غابوا أو عموا أو أُخرسوا أو جنوا ثم زكوا بعد ذلك فليقم الإمام الحد إذا كان قد استقصى شهادتهم وكذلك الحقوق۔

فی المغنی ١٠/ ١٨٢

فَصلٌ : وَإِن كَمَلَت البَيِّنَةُ ثُمَّ مَاتَ الشُّهُودُ أَو غَابُوا جَازَ الحُكمُ بِهَا وَإِقَامَةُ الحَدِّ ـ وَبِهِ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ : لَا يَجُوزُ الحُكمُ ؛ لِجَوَازِ أَن يَكُونُوا رَجَعُوا وَهَذِهِ شُبهَةٌ تَدرَأُ الحَدَّ ـ وَلَنَا أَنَّ كُلَّ شَهَادَةٍ جَازَ الحُكمُ بِهَا مَعَ حُضُورِ الشُّهُودِ جَازَ مَعَ غَيبَتِهِم كَسَائِرِ الشَّهَادَاتِ وَاحتِمَالُ رُجُوعِهِم لَيسَ بِشُبهَةٍ كَمَا لَو حُكِمَ بِشَهَادَتِهِم ـ

فی الام ٦/ ٢١٦

ولا يحضر الامام المرجومين ولا الشهود لان رسول الله صلى الله عليه وسلم قد رجم رجلا وامرأة ولم يحضرهما ولم يحضر عمر ولا عثمان أحدا رجماه علمنا ولا يحضر ذلك الشهود على الزاني۔ ويخلى سبيله إن رجع عن إقراره

(جاری ہے)

قبل الحد أو فی وسطه ولو رجوعه بالفعل کهروبه بخلاف الشهادة

مدعی کا مزید کہنا یہ ہے کہ اگر اقرار سے رجوع کرلیا جائے تو حد ساقط ہو جاتی ہے جبکہ ہمارے قانون میں اسکا تذکرہ نہیں ہے، اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ حدود آرڈیننس کے سیکشن (Section9.1) میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ اگر مجرم کے اقرار سے زنا کا ثبوت ہو جائے اور پھر وہ رجوع کرلے تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی، لہٰذا مدعی کا دعوی درست نہیں۔

فی الدر: ۱۰/۴

ویخلی سبیله إن رجع عن إقراره قبل الحد أو فی وسطه ولو رجوعه بالفعل کهروبه بخلاف الشهادة

فی المغنی: ۱۶۷/۱۰

فان رجع عن اقراره أو هرب کف عنه وبهذا قال عطاء ویحیی بن یعمر والزهری وحماد ومالك والشافعی والثوری وإسحاق وابو حنیفة وابویوسف

نیز مدعی کا مزید کہنا یہ ہے کہ کس طریقہ اور کن صفات کے ساتھ زنا کے گواہ عدالت کے روبرو زنا کے فعل کے مشاہدے کو بیان کرینگے، اسکا ذکر قانون میں نہیں ہے، (اور ہوسکتا ہے کہ تفصیل اور گہرائی سے تفصیل طلب کرنے کی صورت میں گواہ تفصیلی کیفیت ذکر نہ کرسکیں اور اسکی وجہ سے حد ساقط ہو جائے۔)

اسکے متعلق عرض یہ ہے کہ حدود آرڈیننس سیکشن ۔۸ بی کے مطابق عینی مشاہدہ کرنے والے گواہ عدالت کے روبرو دخول یعنی زنا کرنے والے مرد اور عورت کے جماع کے بارے میں ایسی گواہی دیں گے کہ جو جرم کے ثبوت کے لئے ضروری ہے، البتہ اس ''ضروری گواہی'' کی کوئی تفصیل ذکر نہیں کی، تاہم جج شرعی قانون کے اعتبار سے اس کی ضروری تفصیل مثلاً دخول کی واضح کیفیت پوچھے گا، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ عدالت گواہوں سے دخول سے متعلق قابل استفسار ضروری تفصیلات کی وضاحت قانون میں بھی کردے تا کہ کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے۔

فی سنن أبی داود :(۹۲/۱۳)

عن ابن جریج قال أخبرنی أبو الزبیر أن عبد الرحمن بن الصامت ابن عم أبی هریرة أخبره أنه سمع أبا هریرة یقول جاء الأسلمی إلی نبی الله صلی الله علیه وسلم

(جاری ہے)

فشهد على نفسه أنه أصاب امرأة حراما أربع مرات كل ذلك يعرض عنه النبى صلى الله عليه وسلم فأقبل فى الخامسة فقال أنكتها ـ قال نعم ـ قال حتى غاب ذلك منك فى ذلك منها ـ قال نعم ـ قال كما يغيب المرود فى المكحلة والرشاء فى البئر ـ قال نعم ـ قال فهل تدرى ما الزنا ـ قال نعم أتيت منها حراما ما يأتى الرجل من امرأته حلالا ـ قال فما تريد بهذا القول ـ

وفى المغنى:(١٧٢/١٠)

شرط السادس أن يصفوا الزنا فيقولوا : رأينا ذكره فى فرجها كالمرود فى المكحلة والرشاء فى البئر ـ وهذا قول معاوية بن أبى سفيان والزهرى والشافعى وأبى ثور وابن المنذر وأصحاب الرأى ؛ لما روى فى قصة ماعز أنه لما أقر عند النبى صلى الله عليه وسلم بالزنا فقال : أنكتها ـ فقال : نعم ـ فقال : حتى غاب ذلك منك فى ذلك منها كما يغيب المرود فى المكحلة والرشاء فى البئر ـ قال : نعم ـ وإذا اعتبر التصريح فى الإقرار كان اعتباره فى الشهادة أولى ـ

وفى الدرالمختار:(٨/٤)

(فإن بينوه وقالوا رأيناه وطئها فى فرجها كالميل فى المكحلة) هو زيادة بيان احتيالا للدرء

وفى ردالمحتار تحته :٨/٤)

(قوله هو زيادة بيان) أى ؛ لأنه يغنى عنه بيان الماهية مع أن ظاهر كلامهم أن الحكم موقوف على بيانه كما فى البحر ـ

وفى البحرالرائق:(١١/٥)

(وقولهم وطئها كالميل فى المكحلة) راجع إلى بيان الكيفية وهو زيادة بيان احتيالا للدرء وإلا السؤال عن ماهيته كاف مع أن ظاهر كلامهم أن الحكم موقوف على بيانه ـ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

سرفراز محمد
ابراہیم عیسیٰ
عبدالحفیظ
دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی
١٤٣٠/١/٥ھ

الجواب صحیح
بندہ عبدالمنان عفی عنہ
١٤٣٠/١/٦ھ

الجواب صحیح
احقر محمود اشرف غفراللہ لہ
١٤٣٠/١/٦ھ

الجواب صحیح
[illegible]
١٤٣٠/١/٦ھ

دارالافتاء
فتویٰ نمبر ١٨/١١٢٥
نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

67

رجم اور محصن

یعنی

حد رجم اور محصن کی تعریف پر اعتراضات کا قرآن وسنت کی روشنی میں جائزہ

از: بندہ شاہ محمد تفضل علی جلال آبادی

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

(68)

Shariat Petition No. 1/I-2006

Filed today
5-3-07

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمداللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین.................اما بعد!

قابل احترام جسٹس صاحبان، حضرات مشیران فقہ اور حاضرین گرامی السلام علیکم ورحمۃاللہ۔

جناب عالی! فدوی کو وفاقی شرعی عدالت کی طرف سے درخواست گزار کی درخواست کی جو کاپی ارسال کی گئی اس کا مطالعہ کیا گیا، اس درخواست میں درخواست گزار کی درجِ ذیل چار باتیں محل نظر ہیں:

۱۔ درخواست گزار کے مطابق محصن وہ ہے جسکو زنا کے وقت جائز طریقے سے جماع کا موقع میسر ہو چنانچہ اگر کسی شخص کی بیوی فی الحال مفارقت یا طلاق یا موت کی وجہ سے موجود نہیں تو اس کا احصان ختم ہوجائیگا۔

۲۔ رجم کی حد جاری کرنا اسلام کے خلاف ہے اور مسلمانوں کی مختلف جماعتوں میں اسکے بارے میں اختلاف ہے۔

۳۔ دفعہ ۲ الف کے ذیل میں عورت اور مرد کو مجرم ٹھہرانے کی مناسبت سے عمر کی جو حد مقرر ہے اس میں عورت اور مرد کے درمیان امتیاز برتا گیا ہے۔ اس کی تائید نہ قرآن سے ملتی ہے اور نہ سنت سے اور نہ یہ مبنی برانصاف ہے۔

۴۔ حدود آرڈیننس میں وہ حفاظتی قوانین اور رعایتیں ذکر نہیں کی گئی ہیں جنکی وجہ سے حد ساقط ہوجاتی ہے مثلاً ۱۔ توبہ

۲۔ اگر حد قائم کرنے کے وقت گواہ غیر حاضر ہوں۔

۳۔ زانی اگر اپنے اقرار سے رجوع کرے۔

۴۔ زنا کے فعل کے مشاہدہ کی تفصیل ذکر نہیں کی گئی۔

اب ہم ان چار باتوں کا ترتیب وار تفصیلی جائزہ پیش کرتے ہیں:

درخواست گزار کے دعووں کا شرعی نقطہ نگاہ سے جائزہ

دعوی نمبر﴿١﴾ درخواست گزار کی یہ بات درست نہیں ہے کہ محصن ہونے کے لئے بوقتِ زنا جائز طریقے سے جماع کا موقع میسر ہونا شرط ہے کیونکہ قرآن وسنت میں کسی شخص کے محصن ہونے کیلئے یہ شرط عائد نہیں کی گئی بلکہ قرآن وحدیث میں احصان کے ثبوت کیلئے دوسری شرائط مثلاً عقل بلوغ وغیرہ کے ساتھ صرف یہ شرط ہے کہ اس نے نکاح صحیح کے ساتھ وطی کی ہو چا ہے اسکے بعد اس کو جائز طریقے سے جماع کا موقع میسر ہو یا نہ ہو، لہذا حدود آرڈیننس ١٩٧٩ عیسوی میں " محصن " کی ذکر کردہ تعریف بالکل درست ہے، اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں ،کیونکہ قرآن کریم کی معتبر تفاسیر، احادیث، شروح احادیث اور کتبِ فقہ سے یہ بات ثابت ہے کہ احصان کے ثبوت کیلئے صرف اس قدر بات کافی ہے کہ آدمی نے نکاح صحیح میں وطی کی ہو اور وہ آزاد، عاقل اور بالغ ہو۔ چنانچہ :

(الف) مشہور مفسر علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ تفسیر ابن کثیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ محصن وہ ہے کہ جس نے نکاح صحیح میں وطی کی ہو اور وہ آزاد، عاقل اور بالغ ہو۔

فی تفسیر ابن کثیر تحت قوله تعالى الزانية والزاني فاجلدو ا كل واحد منهما :(٥/٦)

فإن الزاني لا يخلو إما أن يكون بكرا وهو الذي لم يتزوج أو محصنا وهو الذي قد وطئ في نكاح صحيح وهو حر بالغ عاقل۔

(ب) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں غامدیہ قبیلہ کی جس عورت نے زنا کا اقرار کیا تھا اور اس پر حد رجم جاری کی گئی تھی اسکا بوقتِ زنا خاوند نہیں تھا، شارح بخاری علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس کے خاوند موجود نہ ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ احصان کے ثبوت کے لئے زنا کے وقت جائز طریقے سے جماع کا موقع میسر ہونا شرط نہیں ہے ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت پر حد جاری نہ فرماتے۔

فی فتح الباري لابن حجر - (ج ١٩ / ص ٢٣٨)

"وَقَدْ أُسْتُشْكِلَ اِسْتِحْبَابُ السَّتْر مَعَ مَا وَقَعَ مِنْ الثَّنَاء عَلَى مَاعِز وَالْغَامِدِيَّة ، وَأَجَابَ شَيْخنَا " فِي شَرْح التِّرْمِذِيّ " بِأَنَّ الْغَامِدِيَّة كَانَ ظَهَرَ بِهَا الْحَبَلُ مَعَ كَوْنهَا غَيْر ذَات زَوْج فَتَعَذَّرَ الِاسْتِتَار لِلِاطِّلَاعِ عَلَى مَا يُشْعِر بِالْفَاحِشَة "

(ج) صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کتبِ حدیث میں ہے کہ کسی مسلمان کا خون تین اسباب کے بغیر حلال نہیں ، ان میں سے ایک ثیب زانی ہے یعنی اگر ثیب زنا کرے تو اس کا خون (رجم کے ذریعے) حلال ہے ۔ یہاں ثیب سے مراد محصن ہے ۔ اور ثیب کی تعریف کرتے ہوئے شارح صحیح مسلم علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس عاقل ، بالغ اور آزاد شخص نے اپنی زندگی میں نکاح صحیح کے ساتھ ایک بار بھی جماع کرلیا ہو وہ ثیب شمار ہوگا چاہے وہ مرد ہو یا عورت ۔

نیز ثیب کی تعریف کرتے ہوئے مشہور اہل زبان ابن منظور الانصاری اپنی کتاب لسان العرب میں لکھتے ہیں کہ عورتوں میں سے ثیب وہ ہے جسکی شوہر سے ہمبستری کے بعد جدائی ہوگئی ہو ۔

اس سے بھی یہ بات معلوم ہوئی کہ جس مرد یا عورت پر حد رجم جاری کی جائے اسے زنا کے وقت جائز طریقہ سے جماع کا موقع میسر ہونا شرط نہیں ۔

لايحل دم امرئ مسلم الا باحدى ثلاث:الثيب الزانى والنفس بالنفس والتارک لدينه المفارق للجماعة - (رواه البخارى ومسلم)

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل دم امرئ مسلم يشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله إلا بإحدى ثلاث: النفس بالنفس والزانى المحصن والتارک لدينه المفارق للجماعة(تفسير ابن كثير٥/٧٣)

فى شرح النووى على الصحيح لمسلم : ٦/١٠٩

وأما قوله صلى الله عليه وسلم : البكر بالبكر والثيب بالثيب (الى قوله) والمراد بالثيب من جامع فى دهره مرة من نكاح صحيح وهو بالغ عاقل حر والرجل والمرأة فى هذا سواء

والثيب فى لسان العرب (١/٢٣٧):الثيب من النساء التى تزوجت وفارقت زوجها بأي وجه كان بعد ان مسّها.

(د) ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کا اس پر اتفاق ہے کہ احصان کے ثبوت کیلئے نکاحِ صحیح کے ساتھ ہمبستری شرط ہے چاہے اسکے بعد اسے جائز طریقہ سے جماع کا موقع میسر ہو یا نہ ہو۔

في المغني :١٠/٩٦

ولا يبطل احصان المسلم بردته ولا عباداته التى فعلها فى اسلامه إذا عاد إلى الاسلام يعنى إذا كان محصنا فارتد ثم أسلم لم يصر غير محصن بل متى زنا رجم لانه يثبت له حكم الاحصان والاصل بقاء ما كان على ما كان ولا تبطل عباداته التى فعلها فى اسلامه إذا عاد إلى الاسلام لانه فعلها على وجهها وبرئت ذمته منها فلم تعد إلى ذمته كديون الآدميين وان كان قد حج حجة الاسلام قبل ردته لم يجب عليه اعادتها إذا عاد إلى الاسلام لما ذكرنا

اوپر ذکر کردہ تفسیر، احادیث، اور شروح احادیث کے حوالے سے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ایک مرتبہ نکاحِ صحیح کے ساتھ جماع کرنے سے محصن بن گیا تو اب نکاح ختم ہونے یا ارتداد وغیرہ سے اسکی یہ صفت احصان ختم نہیں ہوگی بلکہ یہ صفت برقرار رہیگی، اور نکاح ختم ہونے سے یا ارتداد وغیرہ سے صفت احصان کا ختم ہونا اور اس شخص کا دوبارہ غیر محصن ہوجانا یہ خود کسی دلیل کا محتاج ہے جبکہ قرآن وسنت میں ایسی کوئی دلیل ہمیں نہیں ملی۔

دعوی نمبر﴿۲﴾ دعویٰ کی رو سے رجم کا حکم اسلام کے خلاف اور مختلف فیہ ہے۔

تجزیہ: یہ دعویٰ بھی سراسر قرآن وحدیث کے منافی ہے، کیونکہ رجم کا حکم قرآن کریم میں اشارۃ النص کے ذریعہ اور احادیث متواترہ میں عبارۃ النص کے ذریعہ ثابت ہے، خلفاء راشدین سمیت اکیاون صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے شادی شدہ زانی کے لئے رجم کا حکم یا فیصلہ روایت کیا ہے۔

فاروقِ اعظم حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ رضہ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے اور خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رجم کی حد جاری فرمائی نیز میں نے بھی رجم کی حد جاری کی۔

في سنن الترمذى :٤/٥٠٨

عَن عُمَرَ بن الخَطّابِ قَالَ رَجَمَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلّى اللّٰہُ عَلَيہِ وَسَلّمَ وَرَجَمَ أَبُو بَكر وَرَجَمتُ وَلَولَا أَنّى أَكرَہُ أن أَزِيدَ فِى كِتَابِ اللّٰہِ لَكَتَبتُہُ فِى المُصحَفِ فَإِنّى قَد خَشِيتُ أَن تَجِيءَ أَقوَامٌ فَلَا يَجِدُونَہُ فِى كِتَابِ اللّٰہِ فَيَكفُرُونَ بِہِ

مسلم شریف کے معروف شارح علامہ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: محصن پر رجم کی حد کے بارے میں اہل قبلہ میں سے کسی کا اختلاف نہیں خوارج اور بعض معتزلین کے علاوہ۔

فی شرح النووی :۶/۱۰۹
واجمع العلما ء علی وجوب جلد الزانی البکر ما ئة ورجم المحصنین وھو الثیب ولم یخالف فیہ احد من اھل القبلة الا ما حکی القاضی العیا ض وغیرہ عن الخوارج وبعض المعتزلة ۔

مختصر بات یہ ہے کہ رجم کی احادیث معناً متواتر ہیں لہذا ان سے الزانیة والزانی والی آیت میں رجم کا اضافہ قرآنی حکم کی وضاحت اور اس قرآنی قانون کی تشریح ہے۔ یہ اسی طرح کی تشریح ہے جیسے "السارق والسارقة" میں لا قطع فی زمن المجاع کی بناء پر قحط سالی میں قطع کو ساقط کیا گیا اور آیت کو عدم مجاع کے زمانے کے ساتھ خاص کیا گیا ہے، اسی لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ نے رجم کے انکار کو اللہ تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے فریضے کا انکار اور گمراہی قرار دیا، فرماتے ہیں: "لقد خشیت ان یطول بالناس زمان حتی یقول قائل لانجد الرجم فی کتاب اللہ فیضلوا بترک فریضة انزلھااللہ" مجھے ڈر ہے کہ لوگوں پر طویل زمانہ گزر جائے تو یہ کہنے لگیں کہ ہم رجم کا حکم اللہ کی کتاب میں نہیں پاتے اس طرح اللہ کے نازل کئے ہوئے ایک فریضے کو چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں (صحیح بخاری باب اعتراف الزنا)

دعوی نمبر﴿۳﴾ حدود آرڈیننس میں کسی مرد پر حد لگنے کی عمر اٹھارہ سال اور عورت کی عمر سولہ سال بتائی گئی ہے اور درخواست گزار کے مطابق مرد اور عورت کی عمر کا فرق انصاف کے خلاف ہے اور قرآن وسنت کے منافی ہے لہذا اس تفریق کو ختم کیا جائے۔

اس پر کچھ عرض کرنے سے قبل بطور تمہید یہ بات واضح رہے کہ زانی مرد یا عورت پر حد جاری کرنے کے لئے شرعاً یہ ضروری ہے کہ وہ بالغ ہو اور قرآن وسنت کی رو سے کسی لڑکے یا لڑکی پر بلوغ کا حکم اس وقت لگے گا جب اس میں بلوغ کی علامات پائی جائیں، قرآن کریم کے الفاظ میں ("بلغوا النکاح") نکاح کے قابل ہو جائے اور سنت میں ("حتی یحتلم") احتلام ہو جائے (حتی تحیض) ماہواری آجائے وغیرہ لہذا

جب بھی وہ علامات پائی جائیں گی اس لڑکے یا لڑکی پر بلا تفریق بلوغ کا حکم لگایا جائے گا اور قانون میں بھی یہ بات موجود ہے کہ اگر بلوغ کی علامات پائی جائیں تو بلوغ کا حکم لگے گا اور اس پر حد جاری ہوگی، چاہے لڑکے کی عمر اٹھارہ سال اور لڑکی کی عمر سولہ سال ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

(criminal major act edition 2009 by Naseem Chaudhri pg no:906)

البتہ بلوغ کی کسی علامت کے ظاہر نہ ہونے کی صورت میں ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ) اور صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ) اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک روایت کے مطابق لڑکا اور لڑکی دونوں کی عمر پندرہ سال ہونے پر بلوغ کا حکم لگایا جائے گا اور یہی قول مفتی بہ ہے البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت کے مطابق لڑکے کی عمر اٹھارہ سال اور لڑکی کی عمر سترہ سال ہونے پر بلوغ کا حکم لگایا جائیگا۔

حدود آرڈیننس کے مطابق حدود کے معاملہ میں علامات بلوغ ظاہر نہ ہونے کی صورت میں لڑکے کی عمر اٹھارہ سال اور لڑکی کی عمر سولہ سال بلوغ کے لئے مقرر کی گئی ہے اور اسکی بنیاد قانون میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول بتایا گیا ہے۔

(criminal major act edition 2009 pg no:907)

تاہم لڑکے کی بلوغت کی عمر اٹھارہ سال ہونے کا قول تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی ہے اور چونکہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں اسلئے احتیاط کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے حدود کے معاملے میں لڑکے کیلئے اٹھارہ سال کے قول کو لینے میں کوئی حرج نہیں لیکن لڑکی کے لئے بلوغت کی عمر سولہ سال ہونے کا قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ہمیں نہیں ملا البتہ لڑکی کیلئے سترہ سال کا قول ان سے مروی ہے۔

اس تمہید کیبعد درخواست گزار کے اصل اعتراض کا جواب یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکی کے بلوغ کی عمر میں فرق اس لئے رکھا گیا ہے کہ مذکورہ علامات کے ذریعہ علم نہ ہونے کی صورت میں اس مسئلہ کا تعلق مشاہدہ سے رہ جاتا ہے اور مشاہدہ کے مطابق لڑکی، لڑکے سے پہلے بالغ ہوتی ہے کیونکہ یہ بدیہی بات ہے اور

اسکا مشاہدہ بھی ہے کہ عورت کی نشو ونما مرد کی نشوونما سے زیادہ تیز ہے اسی وجہ سے لڑکی اور لڑکے کے بلوغ کی کم ازکم عمر میں بھی فرق رکھا گیا ہے، چنانچہ لڑکے کیلئے بلوغ کی کم ازکم مدت بارہ سال اور لڑکی کیلئے نوسال مقرر کی گئی ہے، کیونکہ مشاہدہ کے مطابق لڑکا بارہ سال سے پہلے اور لڑکی نوسال سے پہلے بالغ نہیں ہوتی، لہذا اس پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے لڑکی اور لڑکے کی بلوغت کی عمر میں فرق رکھا جائے تو یہ انصاف کے خلاف نہیں اور اس تفریق کو قرآن وسنت کے منافی بھی نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ اس مسئلہ کا تعلق مشاہدہ اور تجربہ سے ہے۔

نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية - (ج ١١ / ص ١٢٤)

فَصْلٌ فِي حَدِّ الْبُلُوغِ قَالَ : (بُلُوغُ الْغُلَامِ بِالِاحْتِلَامِ وَالْإِحْبَالِ وَالْإِنْزَالِ إذَا وَطِئَ فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ ذَلِكَ فَحَتَّى يَتِمَّ لَهُ ثَمَانِي عَشْرَةَ سَنَةً ، وَبُلُوغُ الْجَارِيَةِ بِالْحَيْضِ وَالِاحْتِلَامِ وَالْحَبَلِ ، فَإِنْ لَمْ يُوجَدْ ذَلِكَ فَحَتَّى يَتِمَّ لَهَا سَبْعَ عَشْرَةَ سَنَةً ، وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ ، وَقَالَا : إذَا تَمَّ لِلْغُلَامِ وَالْجَارِيَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ سَنَةً فَقَدْ بَلَغَا) وَهُوَ رِوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ رَحِمَهُ اللَّهُ ، وَعَنْهُ فِي الْغُلَامِ تِسْعَ عَشْرَةَ سَنَة ، وَقِيلَ الْمُرَادُ : أَنْ يَطْعَنَ فِي التَّاسِعِ عَشْرَةَ سَنَةً ، وَيَتِمَّ لَهُ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ سَنَةً فَلَا اخْتِلَافَ ، وَقِيلَ : فِيهِ اخْتِلَافُ الرِّوَايَةِ ؛ لِأَنَّهُ ذَكَرَ فِي بَعْضِ النُّسَخِ حَتَّى يَسْتَكْمِلَ تِسْعَ عَشْرَةَ سَنَةً .

أَمَّا الْعَلَامَةُ ؛ فَلِأَنَّ الْبُلُوغَ بِالْإِنْزَالِ حَقِيقَةً وَالْحَبَلُ وَالْإِحْبَالُ لَا يَكُونُ إلَّا مَعَ الْإِنْزَالِ ، وَكَذَا الْحَيْضُ فِي أَوَانِ الْحَبَلِ فَجَعَلَ كُلَّ ذَلِكَ عَلَامَةَ الْبُلُوغِ ، وَأَدْنَى الْمُدَّةِ لِذَلِكَ فِي حَقِّ الْغُلَامِ اثْنَتَا عَشْرَةَ سَنَةً وَفِي حَقِّ الْجَارِيَةِ تِسْعُ سِنِينَ .

وَأَمَّا السِّنُّ فَلَهُمْ الْعَادَةُ الْفَاشِيَةُ ، أَنَّ الْبُلُوغَ لَا يَتَأَخَّرُ فِيهِمَا عَنْ هَذِهِ الْمُدَّةِ ، وَلَهُ قَوْله تَعَالَى : { حَتَّى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ } وَأَشُدُّ الصَّبِيِّ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ سَنَةً ، هَكَذَا قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ وَتَابَعَهُ الْقُتَبِيُّ وَهَذَا أَقَلُّ مَا قِيلَ فِيهِ ؛ فَيُبْنَى الْحُكْمُ عَلَيْهِ لِلتَّيَقُّنِ بِهِ غَيْرَ أَنَّ الْإِنَاثَ نُشُوءُهُنَّ وَإِدْرَاكُهُنَّ أَسْرَعُ فَنَقَصْنَا فِي حَقِّهِنَّ سَنَةً لِاشْتِمَالِهَا عَلَى الْفُصُولِ الْأَرْبَعَةِ الَّتِي يُوَافِقُ وَاحِدٌ مِنْهَا الْمِزَاجَ لَا مَحَالَةَ .

مصنف ابن أبي شيبة - (ج ۶ / ص ۴۷۲)

حدثنا أبو بكر قال حدثنا غندر عن شعبة عن الحكم قال : ليس على الجارية حد حتى تحيض.

دعوی نمبر﴿۴﴾ درخواست گزار نے بعض وجوہات ذکر کر کے ان کے ذریعے حد کا ساقط ہونا ذکر کیا ہے ،جن میں سے پہلی وجہ توبہ ذکر کی ہے، تو اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ شرعاً اگر یہ معاملہ عدالت تک نہ پہنچے اور مجرم صدقِ دل سے توبہ اور استغفار کرلے تو عنداللہ تو اس کا گناہ معاف ہوجائے گا، لیکن اس سے حد ساقط نہیں ہوگی، چنانچہ اگر توبہ کے بعد بھی عدالت کے پاس معاملہ پہنچ جائے اور زانی کے محصن ہونے کی صورت میں اگر زنا شرعی طریقہ پر ثابت ہوجائے تو اس پر رجم کا حکم ہی جاری ہوگا، اس توبہ

سے رجم کا حکم ساقط نہیں ہوگا اور عدالت کو اس مجرم کو معاف کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، چنانچہ حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ سے زنا کا فعل صادر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر انہوں نے اسکا اقرار کیا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر رجم کی سزا جاری فرمائی، اول تو انکا نادم ہوکر آنا خود توبہ ہے پھر انہوں نے سچے دل سے ایسی توبہ کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسکی توبہ ایک قوم میں تقسیم کی جائے تو ان سب کو کافی ہوجائے۔ (دیکھئے صحیح مسلم ۹/۶۸) لیکن اسکے باجود ان پر حدِ رجم جاری کی گئی اسی طرح غامدیہ قبیلہ کی ایک عورت نے زنا کا اقرار کیا تھا اور اس پر حد رجم جاری کی گئی جبکہ اس عورت نے بھی ایسی توبہ کی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی توبہ کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ ناجائز ٹیکس لینے والا شخص بھی کرے تو اسکی مغفرت ہوجائے (دیکھئے صحیح مسلم ۹/۶۹)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب حد کا معاملہ پیش ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حد جاری کی ہے چاہے اس نے سچی توبہ بھی کرلی ہو، اگر توبہ سے حد معاف ہوسکتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور انہیں معاف کردیتے، نیز پھر اگر کسی نے سفارش بھی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سفارش کو نہ صرف یہ کہ قبول نہیں فرمایا بلکہ اس پر سخت ناراضگی کا بھی اظہار فرمایا ہے۔

نیز ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوع رایت منقول ہے کہ: تعافوا الحدود فیما بینکم فما بلغني من حد فقد وجب ۔(ابو داؤد رقم الحدیث۴۳۷۶)(ای فقد وجب علی اقامته :عون المعبود ۱۲/۳۱)

یعنی حدود کو آپس میں معاف رکھو اور جب میرے پاس حد کا معاملہ پہنچے گا تو وہ حد واجب ہوجائے گی (یعنی پھر میرے لئے حد کو قائم کرنا واجب ہوجائیگا)۔

نیز ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ توبہ کے بعد بھی قاضی کے پاس معاملہ پہنچنے پر دنیا میں حد جاری ہوگی، اس توبہ سے قانونی طور پر ثابت شدہ حد ساقط نہیں ہوگی اور یہ معاملہ صرف اسی جرم کا نہیں بلکہ بعض دوسرے جرائم مثلاً قتل وغیرہ کے جرم سے بھی مجرم اگرچہ توبہ کر لیتا ہے لیکن جب عدالت میں اس کا جرم ثابت ہو جائے تو اس کی توبہ اس جرم کی سزا کو ساقط کرنے میں موثر نہیں ہوگی۔ عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

في الصحيح لمسلم: ٩/٦٩

حدثنا عبد الله بن بريدة عن أبيه قال فجاءت الغامدية فقالت يا رسول الله إني قد زنيت فطهرني وإنه ردها فلما كان الغد قالت يا رسول الله لم تردني لعلك أن تردني كما رددت ماعزا فوالله إني لحبلى قال إما لا فاذهبي حتى تلدي فلما ولدت أتته بالصبي في خرقة قالت هذا قد ولدته قال اذهبي فأرضعيه حتى تفطميه فلما فطمته أتته بالصبي في يده كسرة خبز فقالت هذا يا نبي الله قد فطمته وقد أكل الطعام فدفع الصبي إلى رجل من المسلمين ثم أمر بها فحفر لها إلى صدرها وأمر الناس فرجموها فيقبل خالد بن الوليد بحجر فرمى رأسها فتنضح الدم على وجه خالد فسبها فسمع نبي الله صلى الله عليه وسلم سبه إياها فقال مهلا يا خالد فوالذي نفسي بيده لقد تابت توبة لو تابها صاحب مكس لغفر له ثم أمر بها فصلى عليها ودفنت

فی فتح الباري لابن حجر – (ج ١٩ / ص ٢٣٨)

وَفِي هَذَا الْحَدِيث مِنْ الْفَوَائِد مَنْقَبَة عَظِيمَة لِمَاعِزِ بْن مَالِك لِأَنَّهُ اِسْتَمَرَّ عَلَى طَلَب إِقَامَة الْحَدّ عَلَيْهِ مَعَ تَوْبَته لِيَتِمّ تَطْهِيره وَلَمْ يَرْجِع عَنْ إِقْرَاره مَعَ أَنَّ الطَّبْع الْبَشَرِيّ يَقْتَضِي أَنَّهُ لَا يَسْتَمِرّ عَلَى الْإِقْرَار بِمَا يَقْتَضِي إِزْهَاق نَفْسه فَجَاهَدَ نَفْسه عَلَى ذَلِكَ وَقَوِيَ عَلَيْهَا وَأَقَرَّ مِنْ غَيْر اِضْطِرَار إِلَى إِقَامَة ذَلِكَ عَلَيْهِ بِالشَّهَادَةِ مَعَ وُضُوح الطَّرِيق إِلَى سَلَامَته مِنْ الْقَتْل بِالتَّوْبَةِ ".

فی تفسير القرطبی :(٥/٩١)

ولا خلاف فيما أعلمه أن التوبة لا تسقط حدا ولهذا قال علماؤنا: إن السارق والسارقة والقاذف متى تابوا وقامت الشهادة عليهم أقيمت عليهم الحدود.

وفی الشامية (٣/١٥٤)

الظاهر ان التوبة لاتسقط الحد الثابت عند الحاكم بعد الرفع اليه . . . .

فی احكام القرآن للجصاص:٦/٣٨

ثبت أن عقوبات الدنيا ليست موضوعة على مقادير الأجرام وإنما هي على ما يعلم الله من المصالح فيها وعلى هذا أجرى الله تعالى أحكامه فأوجب رجم الزاني المحصن ولم يزل عنه الرجم بالتوبة ألا ترى إلى قوله عليه السلام في ماعز بعد رجمه وفي الغامدية بعد رجمها : لقد تاب توبة لو تابها صاحب مكس لغفر له .

فی البحر الرائق:٧/٥

والحاصل أن الواجب على العاصي في نفس الأمر التوبة فيما بينه وبين الله تعالى والإنابة ثم إذا اتصل بالإمام ثبوته وجب إقامة الحد على الإمام ولا يمتنع من إقامته بسبب التوبة

وفی الفقه الاسلامی وادلته للزحيلی (٧/٥٥٦٤)

اتفق العلماء على ان الحدود اذا رفعت الى ولى الأمر او نائبه القاضي ثم تاب عن جريمته بعد ذلك لم يسقط الحد عنه بل تجب اقامة الحد وان تاب المجرم حينئذ سواء كان قاطع طريق ام لصا او زانيا۔۔۔۔۔۔

لہذادرخواست گزار کا یہ کہنا کہ توبہ سے حد ساقط ہوجاتی ہے درست نہیں،تاہم چونکہ قانون کا دخل ہی اس وقت ہوتا ہے جب معاملہ عدالت تک پہنچے ،اس سے قبل قانون کا دخل ہی نہیں ہوتا، ممکن ہے اس وجہ سے حدود آرڈیننس میں اس کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔

درخواست گزار نے حد کو ساقط کرنے والی دوسری بات یہ ذکر کی ہے کہ اگر گواہ حد کے جاری کرنے کے وقت غیر حاضر ہوں تو حد ساقط ہو جائے گی، جبکہ حدود آرڈیننس کے مطابق انکی حاضری کو ضروری قرار نہیں دیا گیا (حدود آرڈیننس سیکشن ١٧) ۔

اس بارے میں وضاحت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حد جاری کرنے کے وقت گواہوں کا موقع پر موجود ہونا ضروری ہے ،اگر گواہ موجود نہ ہوں تو حد جاری نہیں ہوگی چونکہ حدود شبہات سے ساقط ہوجاتی ہیں اس لئے حدود کے معاملے میں احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ قانون اسی کے مطابق بنادیا جائے تاہم چونکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک گواہوں کے ذریعے عدالت میں حد ثابت ہوجانے کے بعد حد جاری کرنے کے وقت گواہوں کا موجود ہونا ضروری نہیں ،بلکہ ان کی عدم موجودگی میں بھی عدالت سزاجاری کر سکتی ہے ، لہذااگر ملکی قانون کے مطابق عدالت گواہوں کے ذریعے حد کے ثابت ہوجانے کے بعد گواہوں کی عدم موجودگی میں حد جاری کر دے تو بھی حد نافذ ہوجائیگا کیونکہ حاکم کا حکم اختلافی مسائل میں نافذ ہوجاتا ہے ،اس لئے اس کو خلافِ شرع نہیں کہا جاسکتا ۔البتہ احتیاط اس میں ہے کہ پہلے قول کے مطابق قانون بنایا جائے ۔

درخواست گزار کا مزید کہنا یہ ہے کہ اگر اقرار سے رجوع کرلیا جائے تو حد ساقط ہو جاتی ہے جبکہ ہمارے قانون میں اسکا تذکرہ نہیں ہے،اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ حدود آرڈیننس کے سیکشن (Section9.1) میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ اگر مجرم کے اقرار سے زنا کا ثبوت ہو جائے اور پھر وہ رجوع کرلے تو اس سے حد ساقط ہو جائے گی ،لہذا درخواست گزار کا دعوی درست نہیں ۔

نیز درخواست گزار کا مزید کہنا یہ ہے کہ کس طریقہ اور کن صفات کے ساتھ زنا کے گواہ عدالت کے روبرو زنا کے فعل کے مشاہدے کو بیان کرینگے ،اسکا ذکر قانون میں نہیں ہے ،(اور ہوسکتا ہے کہ تفصیل اور گہرائی سے تفصیل طلب کرنے کی صورت میں گواہ تفصیلی کیفیت ذکر نہ کر سکیں اور اسکی وجہ سے حد ساقط ہوجائے ۔)

اسکے متعلق عرض یہ ہے کہ حدود آرڈیننس سیکشن ۔ ۸ بی کے مطابق عینی مشاہدہ کرنے والے گواہ عدالت کے روبرو دخول یعنی زنا کرنے والے مرد اور عورت کے جماع کے بارے میں ایسی گواہی دیں گے کہ جو جرم کے ثبوت کے لئے ضروری ہے ،البتہ اس " ضروری گواہی "کی کوئی تفصیل ذکر نہیں کی ،تاہم جج شرعی قانون کے اعتبار سے اس کی ضروری تفصیل مثلاً دخول کی واضح کیفیت پوچھے گا،لہذا مناسب یہ ہے کہ عدالت گواہوں سے دخول سے متعلق قابل استفسار ضروری تفصیلات کی وضاحت قانون میں بھی کر دے تاکہ کسی قسم کا اشتباہ نہ رہے ۔

فی سنن أبی داود :(۱۳/۹۲)
عن ابن جریج قال أخبرنی أبو الزبیر أن عبد الرحمن بن الصامت ابن عم أبی ہریرة أخبره أنه سمع أبا ہریرة يقول جاء الأسلمی إلى نبی الله صلى الله عليه وسلم فشهد على نفسه أنه أصاب امرأة حراما أربع مرات كل ذلک يعرض عنه النبی صلى الله عليه وسلم فأقبل فی الخامسة فقال أنكتها ـ قال نعم. قال حتى غاب ذلک منک فی ذلک منها ـ قال نعم. قال كما يغيب المرود فی المكحلة والرشاء فی البئر ـ قال نعم. قال فهل تدری ما الزنا ـ قال نعم أتيت منها حراما ما يأتی الرجل من امرأته حلالا. قال فما تريد بهذا القول ـ ـ واللہ اعلم بالصواب

احقر شاہ محمد تفضل علی
دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی
05-03-2009

79

Filed today
2-4-09

بیان
درباره شریعت درخواست نمبر - آئی آف 2006
متعلقہ آرڈیننس آف حد زنا 1979

پیش کردہ
ڈاکٹر محمد طفیل
مشیر برائے وفاقی شرعی عدالت
بتاریخ 2 اپریل 2009

بیان برائے شریعت درخواست نمبر 1-آئی آف 2006

پیش کردہ
ڈاکٹر محمد کمیل

اسلام کے ادارہ نکاح پر غور کیا جائے، تو واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں شادی کے مقاصد مختلف واضح ہیں۔ کہ جنسی خواہش ہر مرد و عورت میں پیدائشی اور جبلی طور پر موجود ہے اور سن بلوغ کو پہنچنے والے ہر انسان کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی مخالف جنس کے ساتھ اپنی یہ ضرورت پوری کرے اور اس کے ذریعے سے تسکین اور طمانیت حاصل کرے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی کہ "نکاح کرنا میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے روگردانی کی وہ میری امت میں سے نہیں ہے"۔

انسان کی طبعی ضرورت پوری کرنے کے ساتھ ساتھ اسلام نکاح اور ازدواج کے ذریعے سے انسانی نسل کی بقاء اور انسانی افراد میں اضافے کی بھی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ مزید برآں اسلام شادی کے ذریعے سے نسب کی پاکیزگی، وراثت کی شرعی تقسیم اور معاشرے سے غیر شرعی انسانی جنسی تعلقات کی حدود و قیود بھی متعین کرتا ہے۔ چنانچہ شادی شدہ میاں بیوی پوری آزادی اور اپنی مرضی سے جنسی تعلقات قائم کرتے ہیں۔ بلکہ میاں بیوی دونوں کو اس امر کا پابند بنایا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی جنسی ضرورت اور خواہش کا احترام کریں اور اس کی تکمیل میں رکاوٹ نہ ڈالیں اور باہم ضروری مواقع فراہم کریں۔

اسلام نے اس امر کا بھی اہتمام کیا ہے۔ کہ جنسی تعلقات دو طرح کے ہوتے ہیں جائز جنسی تعلقات اور ناجائز جنسی تعلقات۔ چنانچہ جائز جنسی تعلقات صرف اور صرف نکاح کے ذریعے سے قائم ہوتے ہیں۔ اور شرعی نکاح کے بغیر قائم ہونے والے تمام جنسی تعلقات ناجائز جنسی تعلقات کے دائرے میں آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جائز جنسی تعلقات کی نہ صرف ترغیب دی ہے۔ بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس غیر شرعی اور ناجائز جنسی تعلقات استوار کرنے والے افراد کے لئے کڑی سزائیں مقرر کر رکھی ہیں۔

ناجائز جنسی تعلقات کو اسلام نے "زنا" بتایا ہے۔ اور اس کے ارتکاب سے سختی سے منع کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ولا تقربوا الزنیٰ انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا (سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر 32)

"اور تم زنا کے قریب نہ جاؤ، بے شک یہ ایک فحش کام اور برا راستہ ہے"۔

اسی طرح قرآن حکیم نے مسلمان خواتین کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کا ذکر کیا ہے۔ اس بیعت کی شروط میں یہ دو شرطیں بھی مذکور ہیں

ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن (سورۃ الممتحنۃ آیت نمبر 12)

کہ وہ خواتین نہ تو زنا کا ارتکاب کریں گی اور نہ ہی وہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی۔

یہ دونوں آیات زنا کی حرمت پر قطعی دلیل ہیں۔ جن کی رُو سے زناکاری یا ناجائز جنسی

تعلقات استوار کرنا مرد و زن دونوں کے لیے ممنوع ہیں۔ اور اگر اس کی حرمت کے باوجود مرد و زن زنا کا ارتکاب کرتے ہیں۔ تو دونوں نے اسلامی احکام کی خلاف ورزی کی۔ اسی لئے دونوں اس برے کام کے لئے جواب دہ اور مستحق سزا ہیں۔ اور اگر کسی زنا کاری عمل میں آئے تو زانی مرد اور زانی عورت دونوں کے لئے اسلام نے سزا مقرر کر رکھی ہے۔ اور وہ ان دونوں پر عموماً لاگو ہوتی ہے۔

اسلامی سزاؤں میں انصاف کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ حالات و واقعات کی روشنی میں سزاؤں میں کمی بیشی کرتا ہے۔ چنانچہ چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے تو ڈاکہ کی سزا اس سے بھی سخت ہے۔ اسی طرح آزاد اور غلام کی سزاؤں میں بھی فرق موجود ہے۔ اسلام نے یہی اصول شادی شدہ اور غیر شادی شدہ زناکاروں کے لئے بھی ملحوظ رکھا ہے کیونکہ جنسی ضرورت کی تکمیل انسانی طبیعت کا حصہ ہے۔ اس لئے غیر شادی شدہ اگر اس ضرورت کو ناجائز طریقے سے پوری کرتا ہے تو اس کی سزا قرآن حکیم میں سو کوڑے بیان ہوئی ہے جس میں جرم ثابت ہونے پر کوئی تخفیف نہیں ہو سکتی ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں اگر شادی شدہ افراد جرم زنا کا ارتکاب کرتے ہیں۔ تو ان کی سزا اسلام میں رجم ہے۔ کیونکہ شادی شدہ افراد کے پاس حلال طریقوں سے جنسی ضرورت پوری کرنے کے وسائل موجود ہوتے ہیں۔ اس لئے انھوں نے زناکاری سے بڑھ کر اور گھناؤنے جرم کا ارتکاب کیا۔ اس لئے اسلام ایسے افراد کے لئے رجم کی سزا تجویز کرتا ہے۔ کیونکہ حالات و واقعات کی روشنی میں جرم کی نوعیت، اس کی شدت اور اس کے نقصان میں اضافہ ہو گیا ہے۔ اس لئے محصن کی سزا رجم ہے۔

اسلامی شریعت میں جرم زنا کا ارتکاب کرنے والوں کو دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ محصن اور غیر محصن۔ یہ دونوں اصطلاحات بہت اہم ہیں۔ اس لئے ہم ان کی تعریف بیان کرتے ہیں۔

"محصن" کا لفظ "ح ص ن" کے مادے سے ماخوذ ہے چنانچہ حصانۃ کے معانی ہیں محفوظ ہونا۔ البتہ صفت حصان سے مراد پاک دامنی بھی ہے۔ تاہم جب عرب "احصنت المرأۃ" کہتے ہیں تو وہ اس سے شادی شدہ عورت مراد لیتے ہیں۔ قرآن حکیم نے محرمات نکاح میں اس اصطلاح کے یہی معانی مراد لئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے

والمحصنات من النساء (سورۃ النساء آیت نمبر 24)

"اور شوہروں والی عورتیں بھی تم پر حرام ہیں"

چنانچہ "محصن" وہ شخص ہے جو عاقل، بالغ اور آزاد ہو۔ شادی شدہ ہو اور اس کی بیوی نکاح صحیحہ کے ساتھ اس کے پاس ہو۔ اور بیوی کو اسی طرح شوہر حاصل ہو۔ مسلم فقہاء نے کسی بھی شخص کو "محصن" قرار دینے کے لئے شروط مقرر کی ہیں اگر یہ شروط کسی بھی شخص میں پائی جائیں تو وہ "محصن" کہلاتا ہے:

محصن کی شروط

وہبہ زحیلی کے مطابق جب کسی انسان میں یہ سات شرائط پائی جائیں تو وہ شخص "محصن" ہے

(1) عاقل ہو (2) بالغ ہو (3) آزاد ہو (4) مسلمان ہو (5) صحیح نکاح والا ہو
(6) صحیح نکاح والی بیوی سے اس طرح ہم بستری کرے کہ اس پر غسل واجب ہو جائے
(7) میاں بیوی دونوں ہم بستری کرتے وقت ان صفات سے متصف ہوں۔

الفقہ الاسلامی وادلتہ ج 6 ص 41

جب کسی فرد میں مذکورہ بالا صفات / شروط پائی جائیں تو وہ "محصن" ہے اور اس پر "محصن" والے احکام جاری ہوں گے۔ اور جب ان شرائط میں سے کوئی بھی شرط موجود نہیں ہوگی۔ تو وہ شخص "محصن" نہیں قرار پائے گا۔ چنانچہ بعض وضاحتیں ملاحظہ ہوں۔

ا۔ ہماری رائے میں کسی فرد کے شادی شدہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کی بیوی اس شخص کے ساتھ زندگی اس طرح بسر کر رہی ہو کہ بوقت ضرورت وہ اس کے ساتھ ہم بستری کر سکے اور اپنی جنسی ضرورت پوری کر سکے اور بیوی کو بھی یہی سہولت میسر ہو۔

ب۔ ظاہر ہے کہ کسی خاتون کے ساتھ زن شوئی / ہم بستری / جماع اسی وقت شریعت کی نظر میں درست ہے۔ جبکہ وہ خاتون اس کی بیوی ہو اور اس کے نکاح میں ہو۔

ج۔ رنڈوا، طلاق دینے والا، جس کا نکاح عدالت نے فسخ کر دیا ہو، جس کی بیوی فوت ہو چکی یا جن جوڑوں میں کسی بھی وجہ سے علیحدگی ہو چکی ہے۔ وہ یہ شرائط پوری نہیں کرتے۔ بلکہ ان میں نکاح ہی قائم نہیں رہتا۔

د۔ بیوی مفقود الخبر ہو۔ جیل میں ہو، تارک وطن ہو یا ایسی جگہ اور حالات میں ہو کہ اس کی واپسی ناممکن ہو اور یہی کیفیت شوہر کی بھی ہو۔

ان تمام حالات میں میاں بیوی کے ازدواجی تعلقات میں خلل پیدا ہو چکا ہے کیونکہ وہ دونوں وظیفہ زوجیت ادا نہیں کر سکتے۔ جبکہ حدود آرڈیننس 1979 کے حد زنا کی دفعہ 1-2 میں کہا گیا

"AT THE TIME HE HAD SEXUAL INTERCOURSE WITH HER, WAS MARRIED TO HIM."

اس جملہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی منکوحہ بیوی سے ہم بستری کرے۔ تو وہ "محصن" ہو جاتا ہے۔ لیکن اس وقت سوال یہ زیر غور ہے کہ اگر ایک شخص ایک بار "محصن" ہو جائے تو کیا وہ عمر بھر "محصن" رہتا ہے۔ یا بیوی سے محروم ہونے یا رشتہ ازدواج ختم ہو جانے کی صورت میں وہ "محصن" نہیں رہتا۔

اسی طرح اگر کوئی مسلمان مرتد ہو کر دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ کیا وہ بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غیر مسلم ہونے کی حالت میں بھی "محصن" رہے گا اور زنا کا ارتکاب کرے تو رجم ہوگا؟

ہماری رائے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استفادہ کیا جائے
"من اشرک باللہ فلیس بمحصن" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج 6 ص 62)
جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا وہ محصن نہیں ہے "

اس حدیث کی روشنی میں مشرک یا غیر مسلم کو محصن قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے مرتد، کافر، منکر ختم نبوت کو "محصن" قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ ان میں اسلام کی شرط مفقود ہے۔

البتہ جو شخص کسی بھی وجہ سے اپنی بیوی سے محروم ہوا یا وہ حق زوجیت ادا کرنے سے قاصر ہوا کیا وہ "محصن" ہے یا نہیں؟ ہماری رائے میں "محصن" کی سزا اس لئے رجم رکھی گئی ہے کہ وہ شدید جرم (HANIOUS CRIME) کا ارتکاب کرتا ہے۔ کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑ کر حرام کاری کرتا ہے۔ جس کے ذریعے سے وہ اپنی بیوی کو اس کے جائز حق سے محروم کرتا ہے۔ اس لئے اسے "رجم" کی سزا دی جاتی ہے۔

ان حالات میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حدود آرڈیننس 1979 کے حد زنا کی دفعہ 5-2 میں مناسب ترمیم کی جائے اور ایک اور جزو جو "محصن" کی تعریف میں شامل کی جائے جو ان امور کا احاطہ کرے۔ تاکہ قانون سے ابہام ختم ہو۔

اگرچہ اس راہ میں مشکلات کا سامنا ہوگا کیونکہ دینی اور فقہی ادب اس جانب رہنمائی نہیں کرتا۔ اس لئے اجتہاد کی ضرورت ہوگی۔ تاہم انسانی عقل اس جانب رہنمائی کرتی ہے جب کسی شخص کے پاس اس کی بیوی ہی باقی نہیں رہی تو اس کی صفت احصان بھی ختم ہوگئی۔ کیونکہ یہ فقہی قاعدہ ہے۔ "اذا وجد الشرط وجد المشروط و اذا فقد الشرط فقد المشروط"۔ شرط موجود ہو تو مشروط بھی موجود ہوتا ہے اور جب شرط مفقود ہو جائے تو مشروط بھی باقی نہیں رہتا۔

2۔ اس شریعت درخواست میں دوسرا نکتہ یہ اٹھایا گیا ہے۔ کہ رجم کی سزا اسلامی احکام کے مطابق نہیں ہے۔ فقہائے کرام اس بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں۔

رجم کی سزا "محصن" زانی پر لاگو کی جاتی ہے۔ اور اس بارے میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ کہ رجم کی سزا پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے۔ خوارج کا ازرقیہ فرقہ رجم کی سزا کا قائل نہیں ہے کیونکہ اسلامی فقہی ادب سے معلوم ہوتا ہے کہ خوارج خبر واحد پر عمل نہیں کرتے جبکہ ان کی رائے میں سزائے رجم خبر واحد سے ثابت ہے۔ اس فرقہ کے علاوہ یہ سزا سنت مطہرہ سے ثابت ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کا اس پر اجماع ہے۔ اسی طرح امت مسلمہ کا بھی اس سزا پر اجماع ہے کہ محصن زانی کی سزا رجم کرنا ہے۔

جرم کی شدت اور خفت کی وجہ سے اسلامی شریعت نے رجم اور کوڑوں کی سزا مقرر کی ہے شادی شدہ زانی کو رجم اور غیر شادی شدہ زانی کو کوڑوں کی سزا دی جاتی ہے۔ ہم سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ رجم کیا ہے؟

والرجم هو قتل الزاني رميا بالحجارة وما اشبهها

عبدالقادر عودة، التشريع الجنائي الاسلامي ج 2 ص 384

"رجم یہ ہے کہ زناکار کو پتھر یا اس کے مشابہ کوئی چیز مار مار کر قتل کر دیا جائے۔
گویا شادی شدہ (محصن) زانی کی سزا قتل ہے۔ لیکن اس سزا کو نافذ کرنے کا ایک خاص طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ محصن عورت کو ایک گڑھے میں کھڑا کر کے اسے سنگسار یعنی سر عام اس قدر پتھر مارے جائیں کہ اس کی موت واقع ہو جائے۔ اور یہ سخت ترین سزا سر عام دی جائے۔ تاکہ لوگوں کو عبرت حاصل ہو اور وہ ایسے جرم کا ارتکاب نہ کریں
محصن زانی کو سزائے موت کا حکم ایک حدیث سے ثابت ہے

لا يحل دم امرء مسلم الا باحدى ثلاث الثيب الزاني والنفس بالنفس والتارك لدينه المفارق للجماعة ہیثمی، مجمع الزوائد ج 6 ص 252

الفقه الاسلامي وادلته ج 6 ص 40

"کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں ہے مگر تین امور میں سے کسی ایک کے لئے ہو شادی شدہ فرد زنا کرے۔ جان کے بدلے جان لینا اور دین کو ترک کرنے والے اور جماعت سے جدا ہونے والے کے لئے"
اس حدیث میں محصن زانی کو سزائے موت دینے کا حکم بیان ہوا ہے۔ چنانچہ محصن کو رجم کے ذریعہ سزائے موت دی جائے گی

یہاں تک رجم کی سزا کا تعلق ہے۔ اس بارے میں محمد عطیہ راغب رقم طراز ہیں
"اتفق جمهور الفقهاء على ان حد الزاني المحصن رجلا كان او امراة هو الرجم اى القتل رميا بالحجارة حتى الموت"

محمد عطیہ راغب، جرائم الحدود فی التشریع الاسلامی والقانون الوضعی ص 121، مكتبة القاهرة الحديثة 1961

"جمہور فقہاء کرام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ محصن زانی کی سزا مرد ہو یا عورت رجم ہے۔ یعنی پتھر مار کر اسے قتل کیا جائے یہاں تک کہ اس کی موت واقع ہو جائے۔"

کتب احادیث میں رجم کی سزا مذکور ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قولاً اور فعلاً رجم کی سزا نافذ کی ہے۔ چنانچہ عسیف والے قصے میں آپ نے فرمایا

واغد يا انيس الى امراة هذا فان اعترفت فارجمها

الفقه الاسلامي وادلته ج 6 ص 40 نیل الاوطار ج 7 ص 89

اے انیس اس خاتون کے پاس جائیں اگر وہ خاتون اعتراف کرے تو اسے رجم کر دو۔
چنانچہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اعتراف اس خاتون کو رجم کیا گیا۔ بلکہ ماعز اسلمی اور غامدیہ پر رجم کی سزا نافذ کی گئی۔ اسی طرح آپ نے دو یہودیوں کو بھی رجم کی سزا دی۔
اسی طرح عہد صحابہ میں رجم کیا جاتا رہا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
ان الله بعث محمدا صلى الله عليه وسلم بالحق وانزل عليه الكتاب فكان فيما انزل عليه آية الرجم

فقرأتها وعقلتها ووعيتها - ورجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورجمنا بعدہ - فاخشی ان طال بالناس زمان ان یقول قائل ما نجد الرجم فی کتاب اللہ - فیضلوا بترک فریضۃ انزلها اللہ فالرجم حق علی من زنی من احصن من الرجال والنساء اذا قامت البینۃ او کان الحبل او الاعتراف ۔

احمد محمود الشافعی، الشریعۃ الاسلامیۃ ازاء جریمۃ الزنی ص 68
موسسۃ الثقافۃ الجامعیۃ

" اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث کیا - آپ پر کتاب نازل کی اس میں رجم کی آیت نازل کی میں نے رجم کی آیت پڑھی۔ اس کو سمجھا اور محفوظ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا آپ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا - مجھے خدشہ ہے کہ اگر لوگوں پر وقت گزر گیا تو کوئی شخص یہ کہے گا کہ ہم قرآن حکیم میں رجم نہیں پاتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ فرض کو ترک کرکے گمراہ ہوں گے - جبکہ رجم کی سزا اس شخص کے لئے برحق ہے - جو مرد یا عورت محصن ہو - جب گواہ قائم ہوں - یا حمل ظاہر ہو یا اعتراف کیا جائے "

مزید برآں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک قرآنی آیت بھی رجم کے حق میں نقل کرتے ہیں جس کی تلاوت منسوخ ہے لیکن حکم باقی ہے۔ اس لئے رجم کی سزا سنت مبارکہ، عمل صحابہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ اور اس بارے میں فقہاء میں اختلاف نہیں ہے۔

جہاں تک کہ عمر کا تعلق ہے تو یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا تعلق موسمی حالات، غذائی استعمال، طرز معاشرت اور عادات وغیرہ پر ہوتا ہے۔ چنانچہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ مختلف ممالک اور مختلف حالات میں پرورش پانے والے بچے ایک ہی عمر کے ہوتے ہیں لیکن وہ مختلف اوقات میں سن بلوغ کو پہنچتے ہیں۔ اس لئے بچوں کی بلوغت کی عمر مقرر کرنا ایک مشکل کام ہے۔ اسی لئے اسلام نے بلوغت کی عمر مقرر نہیں کی ہے۔ اور فقہائے کرام نے بھی 9 سال سے پندرہ سولہ سال کی عمر کے مختلف مراحل کو بلوغت عمر قرار دیا ہے اسی طرح فقہائے کرام نے لڑکی اور لڑکے کی بلوغت کی عمر بھی مختلف بیان کی ہے

فقہی ادب میں بلوغت کی کچھ علامتیں ملتی ہیں مثلاً لڑکے کو احتلام آنا، لڑکی کو حیض آنا، لڑکے کی مسیں بھیگنا۔ اور لڑکی کی آواز بھاری ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب علامات ہیں جو طبعی ہیں اور مختلف بچوں میں مختلف اوقات میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس لئے بلوغت کی عمر مقرر کرنا ایک دشوار عمل ہے

دوسری جانب کوئی بھی مسلمان مکلف تب قرار پاتا ہے جب وہ بالغ ہو جائے کیونکہ نابالغ پر اسلام کے احکام نافذ نہیں ہوتے نہ ہی نابالغ بچے معاملات میں خود مختار ہوتے ہیں نیز اعمال کے ثواب و عذاب کا دارومدار بھی بلوغت پر ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا معیار مقرر کیا جائے جو نابالغ و بالغ کے مابین حد فاصل قائم کرے اور اسلامی احکام کے نفاذ کا نکتہ آغاز فراہم کرے۔

کسی شخص کا رشتہ ازدواج ختم ہو جانے کی صورت میں وہ محصن رہتا ہے یا نہیں۔ اس بارے میں قرآن و سنت کی کوئی نص موجود نہیں ہے جو بیان کرے کہ مطلقہ خاتون محصنہ ہے یا نہیں۔ اسی طرح طلاق دینے والا مرد محصن رہتا ہے یا نہیں؟ تو زوجین میں علیحدگی ہو جانے کے بعد ان میں احصان کا سبب یا وجہ باقی نہیں رہتی۔ اس لیے ان پر "محصن" کے احکام لاگو نہیں ہوں گے اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ رشید رضا مرحوم لکھتے ہیں۔

ان المحصنة بالزواج هي التي لها زوج يحصنها - فاذا فارقها لا تسمى محصنة بالزواج كما انها لا تسمى متزوجة - وكذلك المسافر اذا عاد من السفر لا يسمى مسافرا - والمريض اذا برئ لا يسمى مريضا " تفسیر المنار ج 5 ص 25 بحوالہ

احمد محمود الشافعی، الشريعة الاسلامية ازاء جريمة الزنا ص 59

"شادی میں محصنہ وہ خاتون ہیں جن کا شوہر ہے جو ان کی حفاظت کرتا ہے جب وہ شوہر اپنی بیوی سے الگ ہو جاتا ہے تو اسے ~~شوہر~~ شادی شدہ (محصنہ) نہیں کہا جاتا۔ جیسے اسے شادی شدہ یا شوہر والی نہیں کہا جاتا جس طرح سفر سے واپس آنے والے کو مسافر نہیں کہا جاتا۔ اور شفا یافتہ شخص کو مریض نہیں کہا جاتا۔"

اس بیان سے یہ حقیقت واضح ہو رہی ہے کہ کوئی فرد اسی وقت تک محصن رہتا ہے۔ جب تک وہ شادی کے بندھن میں بندھا ہوا ہے۔ یونہی کوئی شخص رشتہ ازدواج سے باہر آتا ہے۔ اس کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ اور ساتھ اس کے لئے احکام بھی تبدیل ہو جاتے ہیں

مذکورہ بالا بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ جن بیویوں کے شو نہیں رہے یا جن شوہروں کی بیویاں نہیں رہیں۔ وہ صفت "احصان" سے خ ہو گئے ہیں۔ اس لئے ان کے احکام بھی جداگانہ ہوں گے۔ اس لئے مناسب معل ہوتا ہے کہ "محصن" کی تعریف کا نئے سرے سے تعین کیا جائے۔ تاکہ ج زنا کا ارتکاب کرنے کی صورت میں ان پر غیر شادی شدہ والے مجرمین نافذ کی جا سکے۔

ہماری رائے میں یہ امر بھی ملحوظ رہے۔ کہ مرتکب زنا کو اسلام نے دو گ میں اس لئے تقسیم کیا ہے کہ غیر شادی شدہ افراد کے پاس جنسی خو اور ضرورت پوری کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔ اس لئے اس جرم کا ارتکاب ان کو کوڑوں کی سزا دی جائے۔ البتہ شادی شدہ زانی اور خاص طو شدہ اور عمر رسیدہ افراد کے پاس بیوی کی سہولت بھی میسر ہوتی ہے۔ ج

ہر وقت جسم لستری کر سکتے ہیں۔ جبکہ عمر رسیدہ افراد میں جنسی خواہش عمر کے زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ کم ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے شادی شدہ افراد کا زنا کرنا انتہائی غیر معمولی جرم ہے۔ اس لئے ان کے لئے اسلام نے رجم کی سزا مقرر کر رکھی ہے

شادی یا نکاح کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی جائز طریقہ سے اپنی جنسی ضروریات پوری کر سکیں اور بوقت ضرورت کسی بھی قسم کے موانع اور خارجی رکاوٹ کے بغیر وظیفہ زوجیت ادا کرتے رہیں۔ اگر کسی بھی وجہ سے ان کا یہ حق زوجیت مجروح یا محدود ہو تو ان کے حالات و کوائف تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ان حالات میں زنا کا ارتکاب کریں تو ان پر غیر محصن کی سزا نافذ کی جائے اور سو کوڑے مارے جائیں۔ جس کے لئے متعلقہ قانون میں مناسب ترمیم کی ضرورت ہوگی۔

ڈاکٹر محمد طفیل
196۔ ای سٹریٹ نمبر 17 جی 6/2
اسلام آباد

یکم اپریل 2009